INTERNATIONAL PREMIER JOURNAL OF LANGUAGES & LITERATURE (IPJLL)
VOLUME 4, ISSUE 1, 2026 p-ISSN: 3007-2336 e-ISSN: 3007-2344

اردو افسانے میں ایکو فیمنزم

ECOFEMINISM IN URDU SHORT STORY

Dr. Uzma Noreen
Uzma.noreen@gcwus.edu.pk

Lecturer, Department of Urdu, Government College Women University, Sialkot, Pakistan

Abstract

The center and subject of ecofeminism are both the environment and women, and both are victims of patriarchy and the exploitation of the capitalist system and modernity. Ecofeminism is actually an extension of the women's movement and its aim is to understand gender inequality and the maternal aspect of women in relation to important areas of life, sociology, economics, nature and literature. Ecofeminism, which can be called environmental feminism. It is an intellectual movement that raises its voice by providing information about the exploitation of women and nature. The basis of this theory is the notion that the patriarchal system has not only tried to keep women in control for centuries, but this powerful mentality has also destroyed the natural environment under personal interest, exploitation and occupying attitudes. This theory does not consider women and nature to be simply oppressed, but insists on seeing their mutual dependence and existential power in a new moral, intellectual and scientific light. In fact, this theory was introduced in the latter part of the twentieth century, mainly due to environmental destruction, nuclear threats, capitalist colonialism, and women's rights movements that created an intellectual upheaval in the world. French philosopher Françoise d'Eaubonne first used the term Eco-feminism in 1974. For which it was clarified that women's closeness to nature and their physical and reproductive system are their identity, which the patriarchal system considered a burden and suppressed. But this identity can become a new basis for the survival of humanity.

Keywords: *Ecofeminism, Environmental, Environmental Feminism, Existential Power Destruction, French Philosopher, Françoise d'Eaubonne, Survival of Humanity, Victims of Patriarchy*

Corresponding Author: Dr. Uzma Noreen (Lecturer Urdu Department G.C Women University Sialkot.)
Email: Uzma.noreen@gcwus.edu.pk

ایکو فیمنزم کے بارے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جو حقوقِ نسواں کے مختلف شعبوں جیسے تحریک امن، خواتین کی صحت اور جانوروں کی آزادی کے حوالے سے بات کرنا ایکوفیمنزم کہلاتا ہے۔اس میں نسلی، طبقاتی،صنفی،جنسی اور جسمانی استحصال کی شدت سے مخالفت کی جاتی ہے اور اس میں ہرقسم کے جبر اور ظلم کے خاتمے کا مطالبہ کیا جاتاہے۔اردو میں اس کے لیے "ماحولیاتی تانیثیت"کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ یہ ماحولیات،تحریکِ نسواں اور سوشلزم کی بصیرت سے ماخوذ ایک فلسفیانہ نظریہ ہے۔ معاشرے میں جو لاقانونیت ،ظلم اور استحصال قائم ہے اور کمزوروں کو پیروں تلے روندا جاتا ہے۔ان کے چہرے صاف ستھرے مگر اندرون چنگیز خان سے زیادہ تاریک ہوتا ہے۔ خصوصاً عورت کے حوالے سے ظلم و جبر کی انتہا کرنے والے جو ان پرروا رکھتے ہیں۔ان کا ریپ کیا جاتا ہے۔ظلم کیا جاتا ہے۔ ان کی عزت سے کھلواڑ کیا جاتا ہے۔وجہ صرف یہ ہے کہ یہ ایک کمزور اور ناتواں مخلوق ہے۔ان کو بطور کھلونا استعمال کیا جاتا ہے۔ ایکو فیمنزم اس کی شدت سے مخالفت کرتا ہے اور ان کے حقوق کے لیے ہر سطح پر آواز بلند کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔اس نظریاتی اساس میں مراعات یافتہ طبقہ ظالم طبقے کے درمیان فرق کو واضح کیا جاتا ہے۔ اول الذکر طبقہ سائنس و ٹیکنالوجی اور صنعتی انقلاب اور استحصالی قوتوں کی شکل میں ابھرتا ہے جب کہ ثانی الذکر طبقہ مظلوم طبقہ(عورتیں)،غیر ترقی یافتہ، معاشی اعتبار سے کمزور، مزدور اور مفلس افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔اس میں بےزبان جانور بھی شامل ہیں۔یہ پدرسری ذہنی استحصالی رویہ ہے۔ اس پدرسری معاشرے میں خواتین کا استحصال ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ترقی یافتہ قوم بھی جنسی تفریق کے حساب سے جبر کرتی ہے۔مثلاً جنسی تفریق اور جبر کے ساتھ ایک قوم کا دوسری پر جبر، نسلی تفریق وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ عورت کا استحصال اسلام کے علاوہ ہر مذہب اور دھرم میں ہوتا رہا ہے، ہر ریاست اور مذہب نے جنسی تفریق کی یہ سوچ ،ذاتی ملکیت اور ریاست کا یہی پدرسری کا تصور پیش کیا۔اسی وجہ سے عورت کے ساتھ بربریت، ذلت آمیز، غیرمساوی اور امتیازی سلوک برتا گیا۔

عورت کے حوالے سےیہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر قسم کے جبر کے خلاف لڑیں۔ اس کا مقصد سرحدیں بنانا نہیں بلکہ تمام سرحدوں کوپروگریسیو سوچ میں ضم کرتا ہے۔ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ سوچ کے خلاف جدوجہد ہو۔ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ تیسری دنیا میں صورتِ حال کچھ زیادہ ہی پیچیدہ ہے۔موجودہ معاشرہ بھی پدرسری معاشرہ ہے جہاں مردوں کی حاکمیت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ غریب اور محنت کش خواتین دہرے استحصال کی وجہ سے زنجیروں میں جھکڑی ہوئی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس نظام کو تبدیلی کی طرف لایا جائے ۔غریبوں اور عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی جائے۔ آج کل کا دور تو سرمایہ داری کی نئی شکل یعنی نیو لبرل عہد ہے۔ اس دور میں گینگ ریپ اور خواتین پر تشدد عام ہے۔ عورتوں کے خلاف ایک عالمی سوچ پیدا ہو چکی ہے اس لیے شلٹر ہوم اور دیگر پناہ گاہوں پر زور دیا جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں منڈی اور گھر دونوں میں خواتین کے کام کا بوجھ دوچند ہوا ہے۔ ترقی پذیر ممالک کی غیر ہنر مند عورتوں کی مشکلات بڑھ چکی ہیں۔ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مرد بےروزگار ہونے کا غصہ بھی عورت پر نکالتا ہے اور اس کو بدنصیب اور بدبخت جیسے القابات سے نوازتا ہے جو ایک اور قسم کا استحصال ہے، اس وجہ سے معاشرے میں تشدد بڑھتا ہے۔ مرد بنیادی طور پر خود پسندہوتے ہیں۔اس کے مقابلے میں عورتیں جمہوریت پسند ہوتی ہیں اور مل جل کر کام کرنے پر زور دیتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ عموماً عورتیں ٹولیوں کی شکل میں گھومتی پھرتی ہیں۔ کسی کے ہاں جانا ہو، بازار جانا ہو،یا کہیں بھی جانا ہو ،دو یا تین کے گروپوں میں جاتی ہیں ۔اس کے مقابلے میں مرد چاہے جہاں بھی جارہا ہو اکیلا جارہا ہوتا ہے۔اسے کسی اور مرد کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ لڑکیاں سکول، کالج یا یونیورسٹی جا رہی ہوں تو تین چار بھی ہو سکتی ہیں مگر لڑکے اکیلے ہی سارا دن گھومتے رہتے ہیں۔ عورت اور فطرت کےدرمیان ہمیشہ سے ایک مضبوط رشتہ رہا ہے۔ مثلا لوک ادب میں زمیں ماں(ماتر بھومی)کا درجہ رکھتی ہے۔ کیوں کہ زمین ایک مشفق ماں ہے جو نہ صرف نچھاور کرنے کے ہی فن سے واقف ہے بلکہ ایک نامکمل تاریک دنیا میں ارتقائی امکانات کی روشنی لانے کی کوشش بھی کرتی

ہے۔اس زمین کو دیوی کی حیثیت حاصل رہی ہے اس طرح اس کو "مادرارض"اور"دھرتی ماتا"جیسی تراکیب کا نام دیا گیا ہے۔ اب ہم عصری تانیثی افسانے میں ماحولیاتی تانیثیت یا "ایکو فیمنزم"پر بات کریں گے تاکہ اردو افسانوں میں ماحولیاتی نسائی فکر کو ممیز کیا جا سکے۔

جب ہم خواتین فکشن نگاروں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس ضمن میں قرۃ العین حیدر کے ناولوں اور افسانوں میں ایکو فیمنزم کی مثالیں سامنے آتی ہیں۔ یہ ماحولیاتی تفکرات ان کے لسانی اظہار کی جلوہ گری کرتے ہیں۔مثلاً"آگ کا دریا"سے یہ مثال پیش خدمت ہے:

"آم کے درختوں میں چھپی خانقاہوں میں اس نے ان اللہ کے بندوں کو دیکھا جو لاہوت اورناسوت تک سارے فاصلے طے کر چکے تھے یا جو تصور شیخ میں گم بیٹھے تھے ۔"(۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انحراف احتجاج ،اعتراض،مزاحمت اور ناآسودگی جیسے رجحان ادب عالیہ میں انہیں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔زاہدہ حنا کے ہاں بھی ایکو فیمنزم کی مثالیں موجود ہیں۔ملاحظہ ہو:

"دریا اور اس کے حاشیے پر پھیلی آبادی پیچھے رہ گئی۔ سورج کی ترچھی کرنوں نے ببول کی بھاگتی ہوئی جھاڑیوں کے سائے لمبے کر دیئے ہیں۔ سڑک کے بائیں اوردائیں خوک کے چھوٹے بڑے ٹیلے پھیلے ہوئے ہیں۔ ہوا کے ساتھ جھک پھیریاں کھاتے ہوئے ذرے فراٹے بھرتی ہوئی گاڑی کے بندشیشوں پردستک دے رہی ہیں۔ یہ جو کبھی ثریا یا کسی سیم کی صورت زندہ ہونگے کل جانے کب اور کہاں نمو پذیر ہوں۔ کسی کے نازک لبوں کی تراش میں ،کسی کے سر پر غرور کی بناوٹ میں۔"(۲)

اسی طرح ان کے ہاں ایک اور مثال یوں بیان کی گئی ہے:

"میں نے چچا کو اپنا مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی تو چچا نے یتیم و یسیر بھتیجے کو ڈانٹا۔زمانے کی اونچ نیچ سمجھائی۔کوزہ گری کا دور گزر چکا،مشین انسانی انگلیوں کی ہنرکاری کی جگہ لے چکی تھیں۔لمحہ بھر میں چٹخ جانے والی مٹیلی روغنی رکابیوں اور پیالیوں کی جگہ پلاسٹک اسٹیل کی طشتریاں اور ڈونگے استعمال ہو رہے تھے۔جو سستے تھے اور برسوں چلتے تھے۔کوزہ گر ساری دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور چند رہ گئے تھے وہ بھی اس لیے رہ گئے تھے کہ انھیں کوئی اور کام پسند نہ آتا تھا۔

یہ تمام بات شاہ پور بھی سمجھتا تھا،لیکن وہ اپنی انگلیوں کے سامنے بےبس تھاوہ خمیر کی ہوئی مٹی کے لوچ کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔موقلم تھام کر برتن کی چکنی سطح پر نقش و نگار بنانا چاہتی تھیں۔انھیں تار کے ٹکڑے سے کسی پیالے کے کناروں پر کنگوریاں کاٹنے کی خواہش تھی۔"(۳)

زاہدہ حنا کے ہاں مٹتی ہوئی قدروں کے ساتھ گم ہوتی ہوئی ثقافت اور تہذیب کی سنگینی کا احساس پایا جاتا ہے۔ماحولیاتی تفکر کے احساس تلے دبی ہوئی یہ چنگاریاں عصری تقاضوں تلے دبی ہوئی تھیں۔ انھوں نے انھی کے اثر کو قبول کیا۔ اس لسانی اظہار کے ماحولیاتی مادریت کی یہ تصویر کشی نظر آتی ہے۔ ان کے افسانوں میں ایک طرح کا تفکر ہے اور اس تفکر کو انھوں نے اپنے افسانوں میں تجسیم کیا ہے۔ ان کے ہاں نفسیاتی مسائل یا سماجی فیمنزم کا نظریہ ہے یا آزادی نسواں کا مسئلہ ہو ہر پہلو پر بڑی خوبی سے قلم اٹھایا گیا ہے۔ ان کی تحریروں میں سے ایسے افسانے شامل کیے گئے ہیں جو ایکو فیمنزم کے حوالے سے اہم ہیں۔

قرۃ العین حیدر اور زاہدہ حنا کے علاوہ دیگر افسانہ نگاروں میں ترنم ریاض، سلمیٰ جیلانی، سبین علی، صغریٰ احسن فتیحی،شاہین کاظمی، نورالعین ساحرہ، ناہید اختر،نسیم سید، کوثر جمال،افشاں ملک، نگار عظیم، عذرا نقوی، نگہت فاروق ،عشرت ناہید، روما رضوی،مہر افروز اور صادقہ نواب سحر شامل ہیں۔

ان افسانہ نگار خوتین نے فطرت کے اہم مناظر کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا ہے۔ان کے ہاں ماحولیاتی فکر کے حوالے سے تقدیر کے المیے کو بیان کیا گیا ہے۔وجہ یہ ہے کہ اب فطرت بھی اپنی فطرت بدلنے لگی ہے۔ ان کے تحریر کردہ افسانوں جیسے"کتن والی"،"نسل"،"عشق ہیجان"اور "بوگن ویلیا کی اوٹ لے"وغیرہ میں ابھرتی ہوئی تبدیلیوں کے ماحول پر اثرات نمایاں کیے گئے ہیں اور ان تبدیلیوں کی وجہ سے ہونے والی تباہیوں کی عکاسی ہو رہی ہے۔ان کے ہاں بعض افسانوں میں عصری سیاسی جبر کے اندوہناک نتائج سامنے آ

رہے ہیں۔اس طرح چھوٹی اور گھریلو صنعتوں کی تباہی، اربنائزیشن، اور تیزی سے بدلتے ہوئے ماحول کے عورتوں پر اثرات کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ان افسانوں کے معاشرے پر ماحولیاتی تانیثیت کے ضمن میں داخلی کرب کی بجائے معاشرے کی اجتماعی تصور کشی کرتے ہیں اور عورتوں پر پڑنے والے دباؤ اور عورتوں کی نفسیات پر افسانے لکھتے ہیں اور انسانوں کی ہوسناکی اور بےجا ترقی کا پردہ چاک کیا ہے ۔ان تخلیق کاروں کے ہاں فطرت کے وسیع و عریض منظر کو اپنے افسانوں کا موضوع بنانے کی سعی ملتی ہے۔اس فکشن میں زندگی کے گہرے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ان افسانوں کا راوی شہر سے نفرین اور گاؤں کے ماحول کے اجڑ جانے پر فکر مند نظر آتا ہے، ماحولیات کی تباہیوں سے گندھی ہوئی یہ کہانیاں ان کے افسانوں کا پس منظر پیش کرتی ہیں۔ اس حوالے سے فرخ ندیم کے خیالات یوں ہیں:

"ادب افسانے کا نام"کتن والی"رکھ لیا تو افسانہ نگار نے کہانی کے مرکز میں کتن والی رکھا۔ مائی جولاہی سوت کھیس چادریں کات کرسماج کو موسموں سے بچاتی رہی،مگر سماج اس کو نہ سمجھ سکا۔نہ کوئی گھر دے سکا۔یہ المیہ ہے اہلِ شہر کا ،بنیادی مسئلہ افسانہ نگار نے واضح طور پر متن کی صورت سامنے رکھ دیا ہے کہ سرمایہ دار کس طرح ہاؤسنگ سکیموں کی صورت خود شہروں کے مرکز میں بیٹھا جا رہا ہے اور غریب اہلِ ہنر مارجنز پہ چلے جاتے ہیں۔طاقت اپنا مقام طاقت سے حاصل کر لیتی ہے اور طاقت کو کسی شاعر، ادیب اہلِ ہنر استاد کے جذبات کا احساس نہیں ہوتا۔ طاقت تو بس مفاد تجسیم کرتی ہے ۔سرمایہ دارانہ نظام نے طاقت ور کو ہر طرح سے سہولیات فراہم کی ہیں۔آج ایک شخص ریاست کے اندر اپنی ریاستیں بناتا جا رہا ہے اور حکومت ان کو سہولیات فراہم کرتی جارہی ہے۔آج صورت حال یہ ہے کہ مارگلہ کی پہاڑی آہستہ آہستہ بلڈوز ہونا شروع ہو گئی ہے۔اشرافیہ ان میں ولاز بنائیں گی اور پورا ملک تفریح سے محروم ہو جائے گا۔یہاں تک کہ فطری حسن کا نام و نشان مٹ جائے گا،نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طاقت پھیلتی چلی جاتی ہے اور کمزور سکڑ تے چلے جاتے ہیں۔ ایسے ہی مائی جولاہی کی زندگی سکڑتی ہے۔اور آخر میں غائب ہوجاتی ہے۔ یہاں غربت نہیں غریب ختم کیا جاتا ہے۔جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔"(۴)

سبین علی کا تعارف یہ ہے کہ وہ۱۹۷۵ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئیں۔پھر کچھ عرصہ لاہور میں گزار کر جدہ چلی گئیں۔اب وہیں مقیم ہیں۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "گل مصلوب"کے نام سے ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا۔ شعری مجموعہ"آنچل میں سمندر(ای کتاب)۲۰۱۶ء میں شائع ہوا تھا۔ ایک اور افسانوی مجموعہ "سمندر کے نام ایک غنائی"زیرِ ترتیب ہے۔ سبین علی آج کل ایک آن لائن جریدے "دیدبان " میں دو خواتین مدیراؤں سلمیٰ جیلانی اور نسرین احسن فتیحی کے ساتھ بحیثیت مدیر خامات انجام دے رہی ہیں،ان کا افسانہ"کتن والی"ہماری گم ہوتی تہذیب کا نوحہ اور انسانی اقدار کے نام پر ایک طمانچہ ہے، اس افسانے میں آرٹ، کرافٹ، حسن کے ساتھ مخصوص اصطلاحات کیسے کھڈی، پاور بوم، سوت، ونگ،تانا، بانا اور دیگر افسانہ نگار کی ژوف نگاہی اور باریک جزئیات نگاری کے دلائل ہیں۔ کتن والی جولاہی کا پس منظر جولاہوں کی ایک بستی تھی جو شہر کی آبادی کا ایک حصہ تو بن گئی تھی مگر اپنے ساتھ ایک مکمل تہذیب مٹاگئی۔اس بستی کا ایک خاندان، ایک باپ جو مرگیا،ایک بیٹا جو نشے کا عادی ہوگیا، ایک جدوجہد کرتی ہوئی جولاہن۔اس خاندان کے پاس ایک فن تھامگر بڑھتی ہوئی صنعتی ترقی نے یہ فن جھپٹ کر نگل لیا۔ سبین علی کے دیگر افسانوں "تتلیاں"،"چیونٹیاں"،"کیچوا"،"ہلدی بیچاری کیا کرے"،"اتیھے اور سموں"اور "سرنگ کے راستے"میں یہی رنگ ملتا ہے،جو مٹتی ہوئی اقدار کی تباہی پر نوحہ کناں ہے۔

دیگر افسانہ نگار خواتین کے ہاں بھی "مادیت"کے ہاتھوں قتل ہوتی ماحولیاتی تانیثیت کے حوالےسے کئی شاہکار افسانے ملتے ہیں ۔ان کے ہاں نرم خوئی اور نرم روئی کی خصوصیات سے مزین عورتوں کی فطری مادریت کے جذبے موجزن ہیں۔

سلمیٰ جیلانی کا افسانہ"عشق ہیجان"اس مزاج کا حامل ہے جس میں انھوں نے ماحولیاتی مادریت کے حوالے سے بہت کچھ صفحہ قرطاس پر ابھارا ہے۔ فکر انگیز جملے اپنی مثال آپ ہیں۔ اس طرح دلچسپ اور

حیران کُن واقعات بھی اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔کہانی میں اگرچہ سیدھی سادی سی پیچیدگیاں تو ہیں مگر اس کے باوجود افسانے کے ایجاز و اختصار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ زبان کے برملا اظہار اور برجستہ جملوں نے کہانی کی تاثیر بڑھا دی ہے۔کہانی میں چھوٹے چھوٹے اور آدھے آدھے جملوں کے ذریعے منظرکشی کی اعلیٰ مثالیں قائم کی گئی ہیں۔سلمیٰ جیلانی کی تحریوں میں ماحولیاتی مادریت رچ بس گئی ہے۔

سلمیٰ جیلانی پاکستان میں ۱۹۵۱ء کو پیدا ہوئیں۔۲۰۰۱ء میں اپنے خاندان سمیت نیوزی لینڈ ہجرت کر گئیں۔ وہ افسانہ نگار، شاعری اور مترجم ہیں۔ ان کا پیشہ درس و تدریس ہے،"عشق ہیجان "کا ایک اقتباس یہ ہے:

"کئی دن بعد۔۔۔آج پھر ہفتہ کو۔۔۔باغیچہ کی صفائی کا خبط سوار ہوا تو دیکھا۔۔۔اس بیل نے تو درخت کو اپنی گرفت میں لیا ہے۔ لگتا تھا یہاں کا مزاج اسے زیادہ ہی بھا گیا ہےاور وہ تیزی سے پنپتی جا رہی تھی، میں نے سامنے برساتی نالے سے خراماں خراماں سڑک پار کرتی ہوئی بطخوں کی ٹولی کی طرف نظر جماتے ہوئے سوچا جنہوں نے تیزی سے آتی ہوئی کاروں کو اپنی رفتار آہستہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ایک کار والے کو زیادہ ہی جلدی تھی اس نے غلطی سے کہیں ہارن پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور باقیوں نے جو اسے گھور کر دیکھا ۔۔۔ان میں سے ایک نے سڑک کے کنارے لگے سائن بورڈ کی طرف اشارہ بھی کیا،جس میں بطخوں کی گزرگاہ کا اشارہ بنا ہوا تھا۔ ۔۔گویا بطخوں کی راج دھانی میں مخل ہونے کا سے کوئی حق نہ تھا۔ ۔۔کچھ منٹوں کی رونق کے بعد سڑک پھر خالی ہو چکی تھیاور میرا دھیان بیل کی طرف پلٹ گیا تھا۔"(۵)

اسی مصنفہ کے ایک اور افسانے "لی شوئی کی گلیوں "کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس افسانے میں کچرے کے ڈھیر میں بڑے بچے اور ایک عورت کی سوچ کا زاویہ نظر کیا ہے۔یہ ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جو کچرا بننے والی ہے اور وہ بےکار اشیا،کو ری سائیکلنگ کے ذریعے کارآمد بناتی ہے۔اس افسانے میں بھی خدا کی بنائی ہوئی مخلوق مامتا کو بھی کارآمد بنانے کی کوشش اورایک درد مند دل کی کہانی بیان ہوئی ہے۔

نسیم سید اردو کی معروف افسانہ نگار ہیں۔ان کی جائے پیدائش الہ آباد ہے ۔ جہاں وہ ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوئیں ۔بعد میں وہ پاکستان پرہجرت کر آگئیں۔ اب وہ تورنٹو کنیڈا میں مقیم ہیں، ان کے دو شعری مجموعے "آدھی گواہی"اور"سمندر راستہ دے گا"ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا ثبوت ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب "یوروپین نوآبادیات کے ایبوریجنل ادب پر اثرات"بھی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے افسانے مختلف ادبی رسالوں افکار، ارتقا،فنون، مکالمہ،اوراق اور ثالث(انڈیا)میں چھپتے رہتے ہیں۔ ان کےافسانے "چراغ آفریدم"سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"میری ماں کی مٹی تو سوارت ہوئی۔اب میرے اردگردبہت سی ممناتی ہوئی آوزوں میں میرے لیے ہمدردی اور پریشانی تھی۔ "کہیں اس کی مٹی کا رت نہ جائے اس لیے ان آوازوں نے مجھے کھرج کر اندر اور باہر سے پاک صاف اور نیک بنا دیا ہے۔

انہوں نے مجھے گھر کے رواجوں کی دھونی دی،میری سوچوں پر تاکیدوں کا ابٹن ملا اور مجھے اندر باہر سے نکھار دیا۔ انہوں نے میرے پلو کے چاروں کونوں میں سوجھ بوجھ کے شگن باندھے۔"لیر لیر ہو جاؤ مگر خود کو کبھی جوڑنا مت۔"اپنی آنکھیں اور اپنے ہونٹ ہمیشہ جائے نماز والی طاق پر رکھنا"، " اپنی پیشانی کو گھر کی دہلیز پر بچھا دینا،"گھر کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی کترنیں بٹور کر لوڑے والے ڈبے میں ڈال دو۔۔۔اس طرح ہمارے گھر مقدس رہتے ہیں۔"وہ آوازیں اٹھتے بیٹھتے مجھے جتاتیں،"تمہیں پرائے گھر جانا ہے"حالاں ک مجھے پرائے گھر کی دہشت اور پریشانی اندر سے اس طرح توڑتی اور جھنجھوڑتی جیسے جسی نازک سی شاض کو غضب ناک آندگی ٹوڑتی اور جھنجھوڑتی ہے۔"(۶)

اوپر کے اقتباس میں نسیم سید نے قدرت اور مادریت کے حوالے سے اپنے جذبات و احساسات کو باکمال انداز میں صفحۂ قرطاس پر ابھارا ہےاور اس طرح ذاتی کرب اور استحصال کا نوحہ ایک علامتی نظام کے ذریعے سے ابھر کر سامنے آتا ہے۔اس افسانے میں پھولوں، رنگوں اور موسموں کا ذکر کر کے اپنے

احساسات کوانفرادی پیکر میں ڈھالا گیا ہے اور اپنے احساسات و جذبات کی عکاسی کی گئی ہے،اسی طرح دوسری طرف انھوں نے عورت کی بےتوقیری کر کے اس کو مٹی،کترن اور کوڑے کرکٹ سے تشبیہ دے کر اس کی اصل حقیقت بتائی گئی ہے۔

اردو افسانےکی ایک اورتوانا آواز نسترن احسن فتیحی ہے جو ۱۹۶۳ء سمستی پور ہند(انڈیا)میں پیدا ہوئیں ۔وہ افسانہ نگار،ناول نگار، محققہ اور شاعرہ ہیں۔ ان کو ایم اے اردو میں گولڈ میڈل ملا تھا۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ ان کی تخلیقات ہندوستان اور پاکستان کے مختلف رسائل میں چھپتی رہتی ہیں۔ ان کا ناول"لفٹ"۲۰۰۳ء میں شائع ہواہے۔ اس کے علاوہ ان کے افسانوی مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔وہ بھی سلمیٰ جیلانی کی طرح رسالہ"دید بان "کی مجلس ادارت میں شامل ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "ایکو فیمینزم اور عصری اردو تانیثی افسانہ"۲۰۱۲ء میں دہلی سے شائع ہوئی جس کو بہار اور یوپی اردو اکادمی نے ایوارڈ دیئے۔ ان کا افسانہ "نسل"انڈین حکومت کی نت نئی سرکاری پالیسیوں پر تنقید ہے جس کی وجہ سے قبائل کا رشتہ جنگل سے کٹ رہا ہے۔ لکڑی کی عدمِ دستیابی کی وجہ سے قبائل کی زندگی مشکلات کا شکار ہے اور ان کے گھروں میں کم غذائیت کی وجہ سے انھیں آدھا پکایا ہوا کھانا ملتا ہے۔اس افسانے کی کئی پرتیں ہیں۔ جس میں ایک پرت ایکو فیمینزم کی بھی ہے۔ شکاریوں کے ذریعے ماحول کی تباہی کے اظہار کو افسانوی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اسی طرح اس افسانے میں علامتی اندازاظہار کے طور پر جنگل کو ایک تشبیہ دی گئی ہے اور شیر کو طاقت کے استعارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ شیر جنگل کے دیگر جانوروں (محکوم طبقات)کواپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔اس افسانہ نگار کے حوالے سے فرخ ندیم اپنے تجزے میں یوں لکھتے ہیں:

"جس طرح نسترن نے طاقت کے کلامیوں پر بات کی ہے اور جس طرح انھوں نے Apartheid and encroachmentکو فوکس کیا ہےاس کی مثال کم ملتی ہے۔ مجھے ساؤتھ امریکن مصنفہ"ندین گادیمیر "یاد آئیں۔شیر طاقت کی ایسی علامت ہے جس کے ہر خطے میں تحسین واجب سمجھی جاتی ہے۔حالاں کہ خون خوار جانور اوردرندہ ہے اور مذہب اسلام میں حرام بھی۔ شیر کی علات نے ہمیشہ طاقت کی خدمت کی اور اس کو لائسنس دیا کہ وہ اپنی بھوک کی خاطرجس کو بھی کھائے جسے کھائے وہ جائز ہے کیوں کہ یہ اس کی فطرت میں شامل ہے۔۔انسانی طاقت نے بھی ایسے ہی شیر کی پیروی کی اور جگہ جگہ اس علامت کو استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کیے۔طاقت اس لیےتو معاشروں کو جنگلی رکھنا پسند کرتی ہے تاکہ شیر کی اجارہ داری قائم رہے۔ انسانی ڈسکورس میں طاقت کس طرح اپنا غلبہ اور اجارہ داری قائم رکھنا چاہتی ہے اوررکھتی ہے ۔"(۷)

مذکورہ افسانے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ طاقت ور حلقہ عام عوام کو جنگلی بنا کر اپنی طاقت کو دوام بخشتے ہیں جیسے کہ ہمارا آج کا معاشرہ ہے جہاں طاقت وروں نے اپنی من مانیاں بنائی ہوئی ہیں اور جو بھی آواز ان کے خلاف اٹھتی ہے اسے سختی سے دبا د یا جاتا ہے۔

مجموعی طور پردرجہ بالا افسانہ نگار خواتین کے ہاں ایکو فیمینزم کے حوالے سے خاصا مواد ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قرۃ العین حیدر،آگ کا دریا، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۷ء،ص۲۷۰
۲۔ زاہدہ حنا۔قیدی سانس لیتا ہے۔کتابیات پبلی کیشنز،کراچی، ۲۰۰۰ء،ص۴۷
۳۔ ایضاً،ص۵۲
۴۔ سبین علی،کتن والی،مشمولہ، فنون،لاہور،۱۹۹۸ء،ص۲۳۳
۵۔ سلمیٰ جیلانی،عشق ہیجان، مشمولہ، ایکو فیمنزم اورعصری تانیثی اردو افسانہ، از نسترن فتیحی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶ء،ص۲۲۷

۶۔ نسیم سید، چراغ آفریدم،بحوالہ ایکو فیمنزم اورعصری تانیثی اردو افسانہ ، ص۱۷۵۔۱۷۶
۷۔ فرخ ندیم، بحوالہ ایکو فیمنزم اورعصری تانیثی اردو افسانہ،ص۲۸۷